یاد ایام

میری ذاتی ڈائری میں ذکر اقبال

خواجہ عبدالوحید

بیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ اول کے نصف آخر میں لاہور میں ایک مکان ''للی لاج'' (Lily Lodge) کے نام سے تھا ۔ بازار حکیماں سے بازار سید میٹھا کو جو راستہ جاتا ہے اور جو اب تحصیل بازار کہلاتا ہے اس کے مشرقی سرے سے ذرا پہلے دائیں ہاتھ کو ایک محلہ تھا جسے ''تھڑیاں بھابھڑیاں'' کہتے تھے ۔ اس محلہ کی بیشتر آبادی جینیوں کی تھی ۔ ''للی لاج'' اسی محلہ میں واقع تھا ۔ جس زمانہ کا یہ ذکر ہے اس زمانہ میں اس مکان میں لاہور کے روشن خیال مسلمان بزرگوں کا ہر شام اجتماع ہوتا تھا ۔ خاصی رات گئے تک اہم علمی ، ادبی اور قومی مسائل پر گفتگو ہوتی تھی ۔ اس اجتماع میں شرکت فرمانے والے بزرگوں میں سر محمد اقبال ، سر عبدالقادر ، سر شہاب الدین ایسے حضرات شامل تھے[1] ۔ اسی محفل میں مولانا ظفر علی خاں نے حیدر آباد سے آنے کے بعد لاہور سے ''زمیندار'' شائع کرنے کا پہلی بار اعلان کیا تھا ۔

مذکورہ بالا بیشتر بزرگ شہر کے اسی حصے میں رہتے تھے ۔ سر عبدالقادر تو تھڑیاں بھابھڑیاں سے ملحق ایک گلی میں رہتے تھے ، سر شہاب الدین بازار جج عبداللطیف میں رہتے تھے جو بازار حکیماں سے جانب مغرب واقع ہے ۔ اس محفل کے ایک اور اہم رکن مولوی احمد دین صاحب مصنف ''سر گزشت الفاظ'' لوہاری منڈی کی ایک گلی میں قیام رکھتے تھے ۔ سر محمد اقبال جو اس زمانے میں یورپ سے ڈاکٹریٹ اور قانون کی سند لے کر آ چکے تھے ، ۱۹۰۸ء میں اس محفل میں شرکت فرمانے لگے تھے[2] ۔ وہ اس زمانے میں انار کلی بازار میں رہتے تھے ۔

۱۔ اس زمانہ میں یہ حضرات صرف ''ڈاکٹر شیخ محمد اقبال''، ''شیخ عبدالقادر'' اور ''چودھری شہاب الدین'' کے ناموں سے موسوم تھے ۔ نائٹ ہڈ کا خطاب ان حضرات کو مدتوں بعد ملا ۔

۲۔ یہ محفل ۱۹۱۸ء میں منتشر ہوگئی اس لیے کہ والد مرحوم خواجہ کریم بخش سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو کر وسط ہند کی ایک ریاست میں چلے گئے تھے اور عم محترم

''للی لاج'' تین بھائیوں ، خواجہ کریم بخش صاحب ، خواجہ رحیم بخش صاحب اور خواجہ امیر بخش صاحب کی مشترکہ جائداد تھی ۔ خواجہ کریم بخش صاحب ان تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ۔ راقم الحروف انھی کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے[۳] ۔

میں نے علامہ مرحوم کو اس زمانے میں کم و بیش دس برس قریب سے دیکھا اور یہ موقع مجھے اپنے مکان ''للی لاج'' ہی میں ملتا رہا ۔ خود ان کے مکان واقع انارکلی میں جانے کا موقع نہ ملا ۔ جب میرے چچا زاد بھائی خواجہ فیروز الدین احمد[۴] کی شادی حضرت علامہ کی خواہر نسبتی سے ہوئی تو اس کے بعد میرا آنا جانا ان کے ہاں شروع ہو گیا ، لیکن وہاں مجھے ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع بہت کم ملتا تھا ۔ میں ان کے ہاں بالعموم ان دنوں جایا کرتا تھا جب کہ ان کے صاحب زادے آفتاب اقبال گجرات سے آ کر وہاں قیام کیا کرتے تھے ۔ آفتاب صاحب میرے ہم عمر تھے اور خواجہ فیروزالدین احمد صاحب کی شادی کے دوران ان سے میرے دوستانہ مراسم قائم

خواجہ رحیم بخش صاحب بھی بسلسلۂ ملازمت مشرقی پنجاب میں رہنے لگے تھے ۔ میرے دوسرے چچا خواجہ امیر بخش صاحب کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہو چکا تھا ۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں تھڑیاں بھابھڑیاں کے تمام مکانات نذر آتش ہو گئے ۔ ۱۹۶۰ء میں میں نے اس آتش زدہ علاقے کو دیکھا تو تمام علاقہ جھونپڑیوں سے بھرا ہوا تھا ۔

۱۹۱۸ء سے اقبال مرحوم نے بازار حکیماں میں مولوی احمد دین صاحب ''سرگزشت الفاظ'' کے مکان کی محفلوں میں بیٹھنا شروع کر دیا ۔

۳۔ میں نے ۸ ، ۱۰ برس کی عمر میں ''للی لاج'' کی محفلوں میں بیٹھنا شروع کیا تھا ۔ اگرچہ میں اس عمر میں ان بزرگوں کی بہت سی باتیں نہ سمجھ سکتا تھا لیکن ان سب کو قریب سے دیکھنے کا موقع مجھے مدت تک حاصل رہا ۔

۴۔ خواجہ فیروز الدین مرحوم میرے چچا زاد بھائی تھے (خان بہادر خواجہ رحیم بخش کے صاحب زادے) ۔ وہ اس زمانے میں علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے ۔ ۱۹۱۴ء میں وہ انگلستان چلے گئے اور ۱۹۱۷ء میں وہاں سے بیرسٹری کی سند لے کر واپس آئے اور لاہور میں انھوں نے وکالت شروع کر دی ۔ قیام پاکستان سے قبل وہ لاہور کے چوٹی کے وکلا میں شمار ہوتے تھے ۔ ۱۹۱۹ء میں جب رولٹ ایکٹ کے نفاذ پر پنجاب میں مارشل لا لگا تو لاہور میں سب سے پہلے جو سرکردہ لوگ سیاسی کار گزاریوں کی بنا پر گرفتار ہوئے ان میں خواجہ صاحب موصوف بھی شامل تھے ۔ اُن کے ساتھ گرفتار ہونے والوں میں سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ لاہور بھی تھے ۔

ہو گئے تھے جو آج تک بدستور قائم ہیں[۵] ۔

اس زمانے میں حضرت علامہ مرحوم ہمارے ہاں آتے ہی حقہ طلب فرمایا کرتے تھے اور بارہا میں خود ان کے سامنے حقہ لا کر رکھا کرتا تھا[۶] ۔

۱۹۱۶ء میں میں نے اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ لاہور سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو خواہش ہوئی کہ گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا جائے ۔ لیکن اس میں دقت یہ آ پڑی کہ گورنمنٹ کالج میں صرف فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کرنے والوں کو داخلہ ملتا تھا اور میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوا تھا ۔ چوں کہ حضرت علامہ اس کالج میں پروفیسر رہ چکے تھے اس لیے لیفٹیننٹ کرنل جے سٹیفنسن (Lt. Col. J. Stephenson) پرنسپل گورنمنٹ کالج کے ان سے گہرے مراسم تھے ۔ چنانچہ میں نے حضرت علامہ سے ایک سفارشی رقعہ ان کے نام لیا اور مجھے بغیر کسی دقت کے کالج میں داخلہ مل گیا[۷] ۔

۱۹۱۸ میں ''للی لاج'' کا مجلسی مرکز ختم ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۔ پرانی محفلیں ختم ہو گئیں اور ان میں شامل ہونے والے سب بزرگ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے ۔ حضرت علامہ اب میرے رشتہ کے عم محترم مولوی احمد دین صاحب کے مکان پر جو بازار حکیماں میں واقع تھا ، بیٹھنے لگے ۔ مولوی صاحب مرحوم اس زمانے میں لوہاری منڈی سے نقل مکانی فرما کر اس مکان میں آ چکے تھے ۔ مولوی صاحب لاہور کے نامور وکلا میں سے تھے اور برسوں اسلامیہ کالج کمیٹی کے سکریٹری رہے ۔ خاموشی سے ٹھوس علمی کام کرنے والے بزرگ تھے ۔ عزیزی مشفق خواجہ نے حال ہی میں ان کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے[۸] ۔

جیسا کہ میرے محترم بزرگ حکیم احمد شجاع صاحب مرحوم نے ، اپنی تحریروں[۹]

۵۔ آفتاب اقبال صاحب بعد میں انگلستان سے بیرسٹری کی سند لے کر آئے اور آج کل کراچی میں مقیم ہیں ۔ اس وقت ان کا شمار ممتاز وکلا میں ہوتا ہے ۔

۶۔ میں نے حضرت علامہ کو شروع سے لے کر اُن کی وفات تک (تقریباً تیس برس) حقہ پیتے دیکھا اور کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے اس تمام زمانے میں شراب کو ہاتھ لگایا ہو ۔

۷۔ داخلے کے لیے انٹرویو کے وقت پرنسپل نے حضرت علامہ کی سفارش کی وجہ سے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا ۔

۸۔ دیکھیے ''اقبال ریویو'' بابت جولائی ۱۹۶۷ ، مضمون زیر عنوان ''اقبال اور مولوی احمد دین'' ۔

۹۔ ''خون بہا'' شائع کردہ تاج کمپنی ، لاہور اور ''لاہور کا چیلسی'' مجلہ ''نقوش'' لاہور ، شمارہ نمبر ۱۰۴ ، جنوری ۱۹۶۶ ۔

میں ذکر فرمایا ہے ''لی لاج'' کی محفلوں میں حضرت علامہ سر محمد اقبال کی صلاحیتوں کو پنپنے کا بہترین موقع ملا اس لیے کہ ان محفلوں میں جو لوگ شریک ہوتے تھے وہ بہترین ادبی ذوق رکھتے تھے ۔ یہ محفلیں شعر و ادب کا بہترین گہوارہ تھیں ۔ علامہ محترم ''لی لاج'' کی ان محفلوں میں اپنی شعری تخلیقات پیش فرماتے اور داد پاتے ۔ آپ نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں جو طویل نظمیں اس زمانے میں پڑھیں وہ اکثر آپ نے انجمن کے جلسے سے پہلے اس محفل میں سنائیں ۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ یہ تمام نظمیں میں نے ''لی لاج'' میں حضرت علامہ کے قریب بیٹھ کر سنیں ۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ میں ان کی بہت کم باتیں سمجھ سکتا تھا ۔

''لی لاج'' کی محفلیں ختم ہونے کے دس برس بعد یعنی ۱۹۲۸ میں میں نے لاہور میں ایک علمی ادارے ''اسلامک ری سرچ انسٹی ٹیوٹ'' کی بنیاد رکھی ۔ اسی سال لاہور میں آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا ۔ اس کے شعبۂ عربی و فارسی کی صدارت حضرت علامہ اقبال نے فرمائی ۔ میں نے ان کے زیر صدارت ایک مقالہ ''قرآن حکیم اور سائنٹیفک سپرٹ'' بزبان انگریزی پڑھا[۱۰]۔ اب میرا ملنا جلنا حضرت علامہ سے از سر نو جاری ہو گیا ، تا آنکہ ۱۹۳۴ع میں انجمن خدام الدین (شیرانوالہ دروازہ لاہور) نے اپنا پندرہ روزہ انگریزی اخبار ''اسلام'' جاری کیا جس کی ادارت کا فریضہ میرے سپرد ہوا ۔ حضرت علامہ مرحوم اس اخبار میں دل چسپی لینے لگے اور اس میں شذرات لکھنے میں بارہا میری راہنمائی فرماتے ۔ ان کے متعدد مضامین اور بیانات بھی اس اخبار میں شائع ہوئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت علامہ تحریک قادیانیت پر بڑی کڑی تنقید کرنے لگے تھے ۔ آپ کا معرکہ آرا مضمون ''اسلام اور احمد ازم'' سب سے پہلے اسی اخبار ''اسلام'' بابت ۷ مئی ، ۱۹۳۶ میں شائع ہوا تھا ۔ حضرت علامہ اس اخبار کو بالالتزام ملاحظہ فرمایا کرتے تھے اور اس کے مضامین شائع ہونے سے پہلے پڑھ کر یا مجھ سے سن کر ان میں رد و بدل بھی تجویز فرماتے تھے[۱۱] ۔

۱۰۔ اس مقالے کا اُردو ترجمہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے مشہور ماہ نامہ ''معارف'' بابت جنوری و فروری ، ۱۹۳۰ میں دو اقساط میں شائع فرمایا ۔

۱۱۔ انجمن خدام الدین کا یہ ترجمان ''اسلام'' ۷ جون ۱۹۳۴ کو جاری ہوا اور مارچ ۱۹۴۰ میں بند ہو گیا ۔ اس تمام عرصے میں اس کی اشاعت میں کبھی ناغہ نہیں ہوا ۔

۱۹۳۴ میں جب حضرت علامہ نے اپنا مکان ''جاوید منزل'' میو روڈ پر تعمیر کرایا تو اسی زمانے میں میں نے بھی اس سڑک کی دوسری طرف محلہ چھ نگر میں مکان بنا لیا تھا ، اس لیے میرا آنا جانا آپ کے ہاں روزمرہ کا معمول ہو گیا ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں گھر سے دفتر جانے کے لیے نکلتا اور یہ معلوم ہونے پر کہ حضرت علامہ گھر پر اکیلے بیٹھے ہیں ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور اطمینان سے ان کی باتیں سنتا رہتا ۔ اسی طرح رات کو جب میں دوست احباب سے مل کر گھر واپس لوٹتا تو پھر حضرت علامہ کے ہاں رکتا اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اب ان کے پاس کوئی صاحب نہیں بیٹھے ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور پھر خاصی رات گئے تک ان کی باتیں سنتا رہتا ۔

میں نے کبھی حضرت علامہ سے کسی مسئلے پر بحث نہیں کی بلکہ ہمیشہ ایک آدھ سوال کر دیا کرتا جس کے جواب میں حضرت علامہ علم کے موتی بکھیرتے رہتے ۔ میں بغور ان کی باتیں سنتا اور گھر آ کر اپنی ڈائری میں ان کو انہیں کے الفاظ میں محفوظ کر لیتا ۔ خوش قسمتی سے میری اس زمانہ کی ڈائری کے بعض اجزا آج تک محفوظ رہ گئے ہیں ، یہ یادداشت انہیں سے مرتب کی گئی ہے ۔

اسی سال ۱۹۳۴ میں جب علامہ مرحوم ابھی اپنی میکلوڈ روڈ والی قیام گاہ میں مقیم تھے ، جامعہ ملیہ نے مشہور عالم مجاہد حسین رؤف بے کو توسیعی لکچروں کے لیے دہلی آنے کی دعوت دی ۔ میں نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے خط و کتابت کی اور غازی رؤف بے کو لاہور آنے کی دعوت بھیجی ۔ چنانچہ وہ فروری ۱۹۳۵ میں لاہور تشریف لائے اور اسلامک ری سرچ انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام پنجاب یونیورسٹی ہال میں ایک جلسۂ عام میں انھوں نے تقریر کی ، اس جلسے کی صدارت حضرت علامہ نے فرمائی ۔ اس موقع پر خاصی رقم صرف ہوئی ، اس لیے کہ خود مہمان عزیز کے دہلی سے لاہور آنے اور واپسی کے اخراجات کے علاوہ ایک بڑے پیمانے پر عصرانے کے اخراجات بھی ادا کرنے پڑے تھے ۔ اس رقم کی فراہمی میں حضرت علامہ نے میری بہت امداد فرمائی ۔ انھوں نے خود بھی ان کاموں کے لیے چندہ دیا اور لاہور کے کئی ایک روسا سے بھی چندہ دلوایا ۔

غازی حسین رؤف بے دور حاضر کے عظیم ترین ترک مجاہدین میں سے تھے ۔ جنگ عظیم اول میں ان کے زیر کمان بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) میں ترکی جنگی جہاز ''حمیدیہ'' نے تہلکہ مچا رکھا تھا ۔ انقلاب ترکیہ کے بعد وہ جمہوریہ ترکیہ کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے ۔ بعد میں مصطفیٰ کمال پاشا سے اختلاف کی بنا پر انہیں اپنا وطن چھوڑ دینا پڑا تھا لیکن

اس کے باوجود انھوں نے ہندوستان میں اپنے لکچروں میں ایک لفظ بھی مصطفیٰ کمال پاشا کے خلاف نہیں کہا ۔

اس زمانے کا ایک دل چسپ قصہ یہ ہے کہ ، جیسا اوپر بیان کر آیا ہوں ، میں اکثر اخبار ''اسلام'' کے شذرات اور اداریوں کے لکھنے میں حضرت علامہ سے مشورہ لیا کرتا تھا ۔ ان مشوروں کے وقت خان بہادر چودھری محمد حسین صاحب (جو حضرت علامہ کے بہت ہی مخلص دوست تھے) اکثر موجود ہوتے تھے ۔ وہ اس زمانے میں پنجاب گورنمنٹ کے پریس ایڈوائزر تھے ۔ ادھر میں حضرت علامہ کے مشورے سے اخبار میں مضمون لکھتا ، اُدھر چودھری صاحب کی طرف سے سرکاری چٹھی آ جاتی کہ ایڈیٹر ''اسلام'' آ کر پریس ایڈوائزر سے ملے ۔ اگرچہ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے اخبار پر میرا نام بحیثیت ایڈیٹر نہیں ہوتا تھا لیکن چودھری صاحب سے ملنے کے لیے ہمیشہ میں ہی جاتا اور وہ فرماتے ''آپ کے اخبار کا فلاں مضمون حکومت کی پالیسی کے خلاف ہے ، آیندہ ایسا مضمون نہ لکھیے گا'' ۔ میں ''بہت اچھا'' کہہ کر واپس آ جاتا ۔ اب جنگ عظیم ثانی شروع ہو چکی تھی ۔ میں نے ایک مضمون ''اسلام'' کے صفحۂ اول پر بعنوان ''مشرقی ممالک میں اہل مغرب کے مظالم'' شائع کیا جس میں مختلف انگریزی کتابوں کے ایسے اقتباسات جمع کر دیے گئے تھے جن میں مسلمانوں پر اہل مغرب کے مظالم کی بڑی درد انگیز تفصیل تھی ۔ اس پر پریس ایڈوائزر کی طرف سے اطلاع آ گئی کہ ''اسلام'' کے ناشر مبلغ پانچ سو روپے کی ضمانت داخل کریں ۔ ہم نے ہائی کورٹ میں اس حکم نامے کے خلاف اپیل کی جو نامنظور ہوئی ۔ اس پر بجائے زر ضمانت داخل کرنے کے اخبار بند کر دیا گیا تاکہ ضمانت ضبط ہونے کا امکان باقی نہ رہے ۔

حضرت علامہ سے میری آخری ملاقات ان کی وفات سے ایک روز پیشتر ہوئی ۔ میں جاوید منزل کے صحن میں کھڑا ہوا علی بخش مرحوم سے حضرت علامہ کی صحت کا حال دریافت کر رہا تھا ۔ حضرت علامہ نے کمرے کی بند کھڑکی کے شیشے میں میرا عکس دیکھا اور دوسرے ملازم رحمان سے جو ان کے پاؤں دبا رہا تھا پوچھا کہ باہر کون کھڑا ہے اور جب اس نے میرا نام لیا تو آپ نے اس سے کہا کہ ''انھیں اندر بلاؤ'' ۔ چنانچہ میں حسب الارشاد حاضر ہوا ۔ مزاج پرسی کے بعد آپ نے گفتگو شروع فرمائی جو بہت ہی پر اثر اور فکر انگیز تھی ۔ اس روز آپ کی باتوں میں بہت جوش تھا اور آپ بار بار بستر پر اُٹھ کر بیٹھ جاتے اور پھر تھک کر لیٹ جاتے ۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ آپ کو شدید تکلیف ہو رہی ہے ، لیکن

آپ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ گفتگو ختم ہونے میں نہ آتی تھی ۔ بالآخر میں نے موقع پا کر اجازت لی اور اس احساس کے ساتھ باہر نکلا کہ آج میری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی ۔ اگلے روز علی الصبح معلوم ہوا کہ گزشتہ شب حضرت علامہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

ایک اور واقعہ یہاں قابل ذکر ہے ۔ ۱۹۳۲ میں جب حضرت علامہ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت فرما کر واپس وطن تشریف لائے تو میں نے پہلی مرتبہ اسلامک ری سرچ انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ''یوم اقبال'' کی تقریب کا اہتمام کیا ۔ یہ تقریب بہت ہی کامیاب رہی ۔ اس سلسلے میں ایک عصرانہ بھی حضرت علامہ کے اعزاز میں دیا گیا ۔ اس کی مکمل کاروائی روزنامہ انقلاب مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۳۲ میں شائع ہوئی ۔ لیکن حضرت علامہ کی وفات کے بعد جو ''یوم اقبال'' لاہور کی انٹر کالیجیٹ مسلم برادر ہڈ کے زیر اہتمام منایا گیا تھا اسے عام طور پر ''پہلا یوم اقبال'' کہا جانے لگا ہے ۔ انتہا یہ ہے کہ ڈاکٹر تاثیر مرحوم جو میرے بہت ہی مخلص دوست اور رفیق کار تھے اور جنھوں نے ۶ ستمبر ۱۹۳۲ کے اجلاس ''یوم اقبال'' میں ایک مقالہ بھی پڑھا تھا ، خود انھوں نے لاہور کے انگریزی روز نامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں قیام پاکستان کے بعد ایک مضمون بعنوان ''پہلا یوم اقبال'' لکھا ، جس میں ۱۹۳۸ میں ہونے والے ''یوم اقبال'' کو پہلا یوم اقبال قرار دیا ۔ میں نے مولانا عبدالمجید سالک کے فرزند ارجمند ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کو متوجہ کیا تو انھوں نے روزنامہ انقلاب کی فائلوں میں سے ۷ ستمبر ۱۹۳۲ کا پرچہ برآمد کر لیا اور پھر انھوں نے روزنامہ ''کوہستان'' لاہور کی اشاعت ۲۱ اپریل ۱۹۶۲ میں ایک مضمون بعنوان ''پہلا یوم اقبال'' شائع کیا جس میں ۶ مارچ ۱۹۳۲ کی تقریب کی پوری کاروائی نقل کی گئی تھی ۔

اب میں اپنی ڈائری کے وہ حصے یہاں نقل کرتا ہوں جن میں علامہ اقبال سے ملاقاتوں کی تفصیل ہے ۔

۸ اکتوبر ، ۱۹۳۳ :

آج رات ۸ بجے کے قریب ریلوے اسٹیشن سے گھر[۱۲] آتے ہوئے جب میں علامہ اقبال کی کوٹھی[۱۳] کے سامنے سے گزر رہا تھا تو خیال آیا کہ حضرت علامہ سے

۱۲۔ میں اس زمانے میں مزار داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ سے ذرا آگے بڑھ کر ایک نئی آبادی میں رہتا تھا جو بعد میں ''بلال گنج'' کے نام سے موسوم ہوئی ۔

۱۳۔ حضرت علامہ اس وقت تک میکلوڈ روڈ والے مکان میں رہتے تھے اور ''جاوید منزل'' کی تکمیل تک آپ اسی میں رہے ۔

ملاقات کر لوں ۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا اور دیکھا کہ آپ سامنے برآمدے میں چارپائی پر لیٹے ہوئے ایک چھوٹی سی کتاب دیکھ رہے ہیں ۔ سوائے ایک ملازم کے جو آپ کے پاؤں[۱۴] دبا رہا تھا اور کوئی آپ کے پاس نہ تھا ۔ میں پونے نو بجے شب سے پونے گیارہ بجے شب تک آپ کے پاس بیٹھا رہا ۔ بڑی ہی پر لطف صحبت رہی ۔ بے شمار باتیں آپ نے مختلف موضوعات پر فرمائیں اور اس تمام مدت میں ان کے اور میرے علاوہ اور کوئی شخص وہاں نہ آیا ۔

جو لطف اور خوشی میں نے ان دو گھنٹوں میں حاصل کی وہ میری زندگی کا ایک بے بہا سرمایہ ہے ۔ یقیناً یہ دو گھنٹے میری زندگی کے بہترین اوقات میں سے تھے[۱۵] ۔

جی چاہتا ہے کہ وہ تمام باتیں جو حضرت علامہ نے میرے سامنے ارشاد فرمائیں لفظ بلفظ یہاں دہرا دوں ۔ لیکن آپ کے ملفوظات کی کثرت مانع ہو رہی ہے ۔ ایک بہت بڑی خوش خبری آپ نے یہ سنائی کہ ''میں اپنے دل میں اس بات کی بڑی زبردست خواہش رکھتا ہوں کہ قرآن حکیم پر اپنے خیالات تفصیل سے ایک کتاب میں ظاہر کروں'' ۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ''میں نے اپنے خیالات کا اظہار بڑی تفصیل سے اپنے اشعار میں کر دیا ہے ، لیکن ابھی میرے دل میں اس سے بھی ایک بڑی چیز ہے جو قرآن حکیم کی شرح کی صورت میں ظاہر کرنے

۱۴۔ اس زمانہ میں حضرت علامہ کی صحت بگڑ چکی تھی اور اکثر ایک آدمی آپ کا جسم دبایا کرتا تھا ۔

۱۵۔ میں نے اس زمانے میں یہ دستور بنا لیا تھا کہ حضرت علامہ کے پاس اسی وقت بیٹھتا جب دوسرا کوئی اور شخص نہ ہوتا ۔ اس لیے کہ یہ زمانہ کانگریس اور لیگ کے جھگڑوں کا تھا ۔ اور اکثر لوگ اسی قسم کے جھگڑے چھیڑ دیا کرتے تھے ۔ میں حضرت علامہ کی خدمت میں ان کے ارشادات عالیہ علمی موضوعات پر سننے کے لیے جاتا تھا اور اس بات کی بھی خاص کوشش کرتا تھا کہ خود کچھ نہ کہوں صرف آپ کو سنتا رہوں ۔ چنانچہ میرا اکثر یہ دستور تھا کہ کوئی سوال اسلام کی تاریخ یا تمدن کے متعلق کر دیتا اور اس کے جواب میں جو کچھ وہ فرماتے بغور سنتا رہتا ۔ اور پھر اپنے گھر پہنچ کر وہ تمام باتیں من و عن اپنی ڈائری میں ضبط تحریر میں لے آتا ۔ میری کوشش تو یہی رہی کہ میں مرحوم کے الفاظ من و عن لکھوں ۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ کہیں کوئی لفظ یا جملہ ان کی زبان سے نہ نکلا ہو لیکن اس کے باوجود امید ہے کہ مفہوم آپ ہی کا ہوگا ۔

کی آرزو رکھتا ہوں'' ۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس کام کو ایک ہی صورت میں یکسوئی کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ کم از کم پانچ سال کے لیے ان کو افکار روزگار سے فرصت مل جائے[۱۶] ۔

افسوس ہے کہ دنیائے اسلام کے اس عدیم النظیر فلسفی اور حکیم کے لیے مسلمان قوم فراغت کا سامان مہیا نہ کر سکی ۔ مسلمان قوم کی بے سرو سامانی کا اس سے بڑھ کر بین ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے ۔

دوران گفتگو میں حضرت علامہ نے مسلمانان ہند کے متعلق فرمایا کہ ''میرا مدت العمر کا مطالعہ اور مشاہدہ مجھے یقین دلا چکا ہے کہ یہ لوگ بالکل بے کار ہو گئے ہیں بالخصوص ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ مسلمان'' ۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر کبھی کام آ سکتے ہیں تو غریب مزدوری پیشہ یا دکان دار لوگ جن کے لیے ان کے دل میں محبت اور احترام ہے اور جن سے مل کر انہیں حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے[۱۷] ۔ لیکن جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کا گروہ ان کے نزدیک مستحق التفات نہیں ، یہاں تک کہ اگر وہ ''ڈکٹیٹر'' بن جائیں تو وہ اس گروہ کو ختم کر دیں[۱۸] ۔ ایک موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اسلام کا مستقبل دنیا کے دوسرے مسلمانوں پر منحصر ہے نہ کہ ہندی مسلمانوں پر ۔

اس بات کا افسوس ہے کہ میری ڈائری صرف ۱۴ جولائی ۱۹۳۰ سے محفوظ ہے ۔ اس لیے ان اوراق میں اس تاریخ سے قبل کے اندراجات نہ ملیں گے ۔

۱۶۔ حضرت علامہ عمر بھر روپیہ جمع نہ کر سکے ۔ اب انہیں اس بات کی فکر لاحق ہو چکی تھی کہ دو چھوٹے بچوں کے لیے زندگی کا کچھ سرو سامان مہیا کریں ۔ اور اس میں سب سے پہلی ضرورت سر چھپانے کے لیے مکان کی تھی ۔ اس کے لیے وہ جد و جہد کر رہے تھے اور ہائی کورٹ میں وکالت کا کام چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ۔ اوپر کے الفاظ اسی صورت حال کی غمازی کر رہے ہیں ۔

۱۷۔ بارہا ایسا دیکھا گیا کہ شہر اور بیرون شہر کے سیدھے سادے ان پڑھ لوگ آپ کے پاس آ جاتے تو گھنٹوں آپ کی خدمت میں بیٹھے رہتے ۔ آپ خود بھی کھل کر ان سے باتیں کرتے اور ان کی باتیں سنتے بھی ۔ اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہاں ان کے ہاں بڑے لوگوں کے گرم جوشانہ استقبال کا کوئی اہتمام نہ تھا ، وہاں غریبوں کے لیے آپ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی ۔ ہر شخص آپ تک بہ آسانی پہنچ سکتا تھا اور ایسے لوگوں سے آپ بہت محبت اور اخلاص سے ملتے تھے ۔

۱۸۔ حضرت علامہ نے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا ہے :

''مسلمانوں کا مغربیت زدہ طبقہ سخت پست فطرت ہے'' ۔ (اقبال نامہ ،

چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چودھری صاحب اور سر فضل حسین صاحب کے ذریعہ حکومت برطانیہ نے پراونشل آٹانومی کی روح نکال لی ۔ مؤخر الذکر کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کا وجود ہمیشہ مسلمانوں کے لیے باعث مضرت رہا ہے اور وقت آ رہا ہے کہ ان کی مزعومہ اسلام دوستی اور مسلم نوازی کے بے حقیقت راز سے پردہ اٹھ جائے[۱۹] ۔

کرنسی آفس کے مسلمانوں کو نماز جمعہ کی اجازت نہ ملنے کا معاملہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ ان کے چند نمائندوں کو میرے پاس لائیں تو میں انھیں مناسب مشورہ دوں گا[۲۰] ۔

ایک موقع پر جاپان کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ جاپان میں تبدیلیٔ مذہب دنوں یا ہفتوں کا کام ہے نہ کہ یورپین ممالک کی طرح صدیوں کا ۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر اسلام کا چرچا جاپان میں شروع ہو گیا تو چند ہفتوں میں پوری جاپانی قوم مسلمان ہو جائے گی ۔ اس کی وجہ زیادہ تر سیاسی ہے ۔ جاپان کے لیے مسلمان ہو جانے میں یہ فائدہ ہوگا کہ روس کے خلاف اسے چین اور ترکستان کی

حصہ اول ، ۱۶۹) ۔

ان الفاظ سے بھی حضرت علامہ کی رائے تعلیم یافتہ گروہ کے متعلق صاف ظاہر ہوتی ہے ۔

۱۹۔ سر فضل حسین مرحوم پنجاب میں مسلم لیگ کے خلاف ہندو ، مسلمان اور سکھ زمینداروں کی باہمی تنظیم ''یونینسٹ پارٹی'' کے بانی اور زبردست حامی تھے ۔ اس پارٹی نے آخر تک حصول پاکستان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں ۔ تقسیم ملک سے تھوڑی مدت پہلے مسلم لیگ کو یونینسٹ گورنمنٹ کے خلاف جب زبردست جد و جہد کرنی پڑی اور مسلمانوں اور حکومت پنجاب کے درمیان شدید کشیدگی پیدا ہوگئی تو اس وقت حکمران یونینسٹ پارٹی کی قیادت سر خضر حیات خاں ٹوانہ کر رہے تھے جو سر سکندر حیات خاں کے بعد ان کے جانشین اور یونینسٹ پارٹی کے قائد منتخب ہوئے تھے ۔

۲۰۔ کرنسی آفس اس زمانہ میں وہی کام کرتا تھا جو بعد میں ریزرو بینک اور پھر اسٹیٹ بینک کے سپرد ہوا ۔ اس زمانے میں اس دفتر کے سربراہ یعنی کرنسی آفیسر ایک سخت متعصب ہندو مسٹر کالی چرن تھے جو مسلمان عملے کو طرح طرح سے پریشان کرنے کے عادی تھے ۔ ان دنوں وہ مسلمان عملے کو ظہر کی نماز اور نماز جمعہ کی ادائی سے روکا کرتے تھے ۔ بعد میں ان کی شکایت وائسرائے کی مجلس منتظمہ کے فنانس ممبر کو پہنچائی گئی جس کے نتیجے میں تحقیقات کے بعد ان کا تبادلہ لاہور سے کسی دوسری جگہ ہو گیا ۔

زبردست اسلامی قوت کی امداد و حمایت حاصل ہو جائے گی[۲۱] ۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۳۴ :

گزشتہ شب میں سیر کرتا ہوا پھر حضرت علامہ کے دولت کدے پر جا نکلا ۔ اس وقت آپ کے پاس قیصر صاحب[۲۲]، استاد عشق لہر[۲۳] اور ایک ''حکیم صاحب''[۲۴] بیٹھے تھے ۔ وہ لوگ دس بجے کے بعد چلے گئے اور میں حضرت علامہ کے ارشادات عالیہ سننے کے لیے اکیلا رہ گیا ۔ قریباً ایک گھنٹہ تک بہت ہی پر لطف صحبت رہی ۔ دوران گفتگو یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ یورپ والے جن باتوں کا صدیوں تک تجربہ کرتے رہے اب ان سے متنفر ہو چکے ہیں ۔ یورپ کے ایشیائی مقلدین

۲۱۔ علامہ مرحوم کا یہ خیال تھا کہ کسی بڑی آزاد قوم کا حلقہ بگوش اسلام ہو جانا دنیا میں اسلام کے لیے موجب احیاء ہوگا ۔ اس لیے ان کی یہ آرزو تھی کہ جاپانی یا جرمن ایسی کوئی قوم مسلمان ہو جائے ۔ ان کی یہ آرزو عین منشائے ایزدی کے مطابق تھی اس لیے کہ قرآن میں کہہ دیا گیا ہے کہ اگر مسلمان اسلام کے لیے جد و جہد کرنے سے احتراز کریں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی اور قوم کھڑی کر دے گا جو اللہ کی راہ میں مارنے اور مرنے سے گریز نہ کرے گی ۔ ہم عصر مسلمان ملکوں اور قوموں کے متعلق بھی حضرت علامہ کی رائے بالعموم اچھی نہ تھی ، اس لیے کہ بیشتر ممالک یا تو مغربی استعمار کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے یا مغربی تمدن کے مقلد ہو چکے تھے ۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جب تک مسلمان قومیں مغربی اقوام کی غلامی سے آزاد نہ ہوں احیائے اسلام کا کام نہیں ہو سکتا ۔ عمر کے آخری حصے میں وہ کھلم کھلا مغرب کے خلاف مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے لگے تھے جیسا کہ ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کے صفحات سے صاف عیاں ہے ۔

۲۲۔ ملک لال دین قیصر لاہور کے مشہور سیاسی کارکن اور پنجابی زبان کے کہنہ مشق شاعر تھے ۔ اکثر تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ۔ لاہور کی ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے تھے ۔ اس برادری نے قبل از تقسیم ملک اور بعد قیام پاکستان بہت سے ممتاز کارکن اور سرکاری افسر مہیا کیے ۔ مثلاً قائد اعظم کی وفات کے بعد ملک غلام محمد صاحب جو پاکستان کے گورنر جنرل ہوئے ، وہ اسی برادری سے تعلق رکھتے تھے ۔ اسی طرح پاکستان کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر محمد منیر ، اسٹیٹ بنک کے سابق گورنر مسٹر عبد القادر اور اٹامک انرجی کمیشن کے سابق چیرمین ڈاکٹر نذیر احمد ، سب اسی برادری سے تعلق رکھتے ہیں ۔

۲۳۔ استاد عشق لہر پنجابی زبان کے مشہور و معروف شاعر تھے ۔

۲۴۔ ان حکیم صاحب سے میں واقف نہ تھا اور نہ ان سے اس موقع پر تعارف ہوا ۔

انھیں چیزوں کے پیچھے لگے ہیں ۔ مثلاً عورتوں کی بے مقصد آزادی ۔ اس پر حضرت علامہ نے فرمایا : I have no faith in women یعنی مجھے عورتوں پر کوئی اعتماد نہیں ۔[۲۵]

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عورتیں اپنے مخصوص مشاغل (مثلاً خانہ داری) میں بھی بلند ذہنیت کا ثبوت نہیں دیتیں ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عورت کو دماغ کمزور ملا ہے اس لیے کہ اس کی تخلیقی قوت اس کے رحم سے تعلق رکھتی ہے ۔ مرد دماغ سے تخلیق کا کام لیتا ہے اور عورت رحم سے ۔ جن عورتوں کا رحم اپنا طبعی کام کرتا ہے یعنی جو بچے جنتی ہیں وہ زیادہ ذہین اور سمجھ دار ہوتی ہیں ، بمقابلہ ان عورتوں کے جنھوں نے کبھی بچہ نہیں جنا ۔

۳۰ نومبر ۱۹۳۴ :

گزشتہ یک شنبہ کے روز میں تین چار دوستوں کے ہم راہ حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ ہم لوگ قریباً دو گھنٹے آپ کی خدمت میں حاضر رہے ۔ علامہ محترم نے سیاسیات ، اقتصادیات ، تصوف ، شریعت سبھی طرح کے مسائل پر حکمت و معرفت کے دریا بہائے ۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ ایک قوم یا فرد کو حالات کی نامساعدت اور بخت کی ناموافقت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے ۔ افلاس اور فقر سے بھی انسان بے شمار فائدے حاصل کر سکتا ہے ۔ ایک مفلس آدمی جس کے پاس چھن جانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ، حق و صداقت کی راہ میں وہ دلیری دکھا سکتا ہے جو ایک صاحب مال و زر نہیں دکھا سکتا ۔

پھر آپ نے فرمایا ''میں ملکی سیاسیات میں فرقہ وارانہ مناقشات میں حصہ لینے کے لیے شامل نہ ہوا تھا ، بلکہ محض اس لیے کہ ہندوستان کے آیندہ سیاسی نظام میں مسلمانوں کی حیثیت واضح و متعین کردوں اور یہ ظاہر کردوں کہ اس ملک کے سیاسی ارتقا میں حصہ لیتے ہوئے مسلمانوں کو دوسری قوموں میں مدغم نہ ہو جانا چاہیے'' ۔ آپ نے واضح طور پر یہ بھی فرمایا کہ ''میں نے گول میز کانفرنس میں

۲۵- اس سے مراد محض یہ تھی کہ قومی زندگی میں قیادت عورتوں کے بس کی چیز نہیں ۔ ورنہ حیات اجتماعی میں عورتوں کے مقام کے متعلق ان کے خیالات عالیہ ان کے کلام میں بہ کثرت ملتے ہیں ۔ ان کے کلام میں جابجا عورت کے فرائض اصلیہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان فرائض میں ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت عورت کا فریضہ ''امومت'' ہے اور تہذیب حاضرہ کے بد ترین نتائج میں سے عورت کی اولاد سے محرومی ہے ۔ چناں چہ ایک موقع پر اس تہذیب کا خلاصہ آپ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے :

مرد بے کار ، زن تہی آغوش

اس کے سوا اور کسی کارروائی میں حصہ نہیں لیا" ۔

تعلیم کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں نے دنیا کمانے کے لیے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی لیکن نہ تو دنیا حاصل کر سکے اور نہ دین سنبھال سکے ۔ یہی حال آج مسلم خواتین کا ہے جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں اپنا دین کھو رہی ہیں" ۔

یکم اپریل ۱۹۳۵ :

کل میں نے حضرت علامہ سے ادب لطیف کی تعریف پوچھی تو آپ نے "ادب" اور "آرٹ" پر اظہار خیال فرمایا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آرٹ کے متعلق دو نظریے ہیں ۔ اول یہ کہ آرٹ کا مقصد محض حسن کا احساس پیدا کرنا ہے ۔ دوم یہ کہ آرٹ انسانی زندگی کو بہتر بناتا ہے ۔ ان کا ذاتی خیال یہ ہے کہ آرٹ زندگی کے ماتحت ہے ۔ ہر چیز کو انسانی زندگی کے لیے وقف ہونا چاہیے اور اس لیے ہر وہ آرٹ جو انسانی زندگی کے لیے مفید ہو جائز ہے اور وہ آرٹ جو زندگی کے لیے مضر ہو ناجائز ہے ۔ وہ آرٹ جو انسان کی ہمت کو پست اور اس کے جذبات عالیہ کو مردہ کرنے والا ہو قابل نفرت ہے اور اس کی ترویج حکومت کی طرف سے ممنوع قرار دی جانی چاہیے ۔

اس کے بعد حکومت کے فرائض پر اظہار خیال ہوا اور حضرت علامہ نے فرمایا کہ "حکومت کا سب سے بڑا فرض افراد کے اخلاق کی حفاظت ہے ۔ لیکن اس سب سے بڑے فرض کو جدید دنیا تسلیم ہی نہیں کرتی ۔ حکومتیں محض سیاسیات سے تعلق رکھتی ہیں اور افراد کے اخلاق کو درست کرنا اپنے فرائض میں داخل نہیں سمجھتیں" ۔

پھر اسلام اور تہذیب حاضرہ کا ذکر ہوا ۔ فرمانے لگے کہ اسلام تہذیب حاضرہ کی تمام ضروری اور اصولی چیزوں کا دشمن ہے اس لیے مسلمانوں کو اسے تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ ان چیزوں کو جزو اسلام بنا لیا جائے ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا اب اسلام کی طرف آ رہی ہے ۔ اس لیے اگر آج تہذیب مغربی تباہ ہو جائے تو اسلام کا بول بالا ہونے کا امکان ہے ۔ جونہی تہذیب مغربی کا خاتمہ ہو مسلمانوں کو اسلام کا علم بلند کر دینا چاہیے ۔

آرٹ کے مضر اثرات کے متعلق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض قسم کا آرٹ قوموں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیتا ہے ، چنانچہ ہندوؤں کی تباہی میں ان کی موسیقی کا بہت بڑا حصہ رہا ہے ۔

۲۹ اپریل ۱۹۳۵ :

پرسوں رات حضرت علامہ نے بہت پرجوش باتیں کیں ۔ میں جب بھی ان کی

خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ضبط تحریر میں لے آؤں لیکن یہ اس وقت تو ممکن نہیں ہوتا اور گھر آ کر سب باتیں محفوظ کر لینا میرے بس کی بات نہیں ۔ اس روز آپ نے دوران گفتگو فرمایا :

Character is a kind of energy. The more it is dissipated the weaker it becomes.

(سیرت ایک قسم کی قوت ہے ۔ جتنا اسے بے کار صرف کیا جاتا ہے اتنی ہی یہ کمزور ہو جاتی ہے) ۔

حضرت علامہ کی رائے میں دنیائے اسلام کی فلاح سلطنت برطانیہ کی تباہی پر منحصر ہے ۔

۱۲ مئی ۱۹۳۵ :

آج صوفی صاحب[۲۶] ، بدر صاحب[۲۷] اور طارق صاحب[۲۸] پروفیسر منیرالدین صاحب کی طرف جاتے ہوئے میرے ہاں آئے ۔ انھوں نے فرمایا کہ علامہ اقبال کا وہ بیان جو احمدیوں کے متعلق حال ہی میں شائع ہوا ہے ، پمفلٹ[۲۹] کی صورت میں شائع کیا جائے ۔ میں نے وہ بیان پڑھا اور کہا کہ میرے خیال میں یہ بیان بہت مختصر ہے ۔

۲۴ مئی ۱۹۳۵ :

گزشتہ شام چھ بجے میں اور عزیزم خواجہ عبدالرشید[۳۰] ایک دوست کے ہمراہ

۲۶- صوفی صاحب سے مراد صوفی غلام مصطفٰی تبسم صاحب ہیں جو مدتوں گورنمنٹ کالج لاہور میں فارسی کے استاد رہے اور پنشن پا کر مختلف قسم کے علمی مشاغل میں منہمک رہتے ہیں ۔ آج کل ، سنا ہے ریڈیو پاکستان لاہور سے وابستہ ہیں ۔

۲۷- بدر صاحب سے مراد ہمارے مرحوم دوست بدر الدین بدر ہیں جو اس زمانے میں رپن پریس لاہور میں کام کرتے تھے ۔

۲۸- طارق صاحب سے مراد عبدالرشید طارق صاحب ہیں جو اس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے اور قیام پاکستان کے بعد مرکزی حکومت کی وزارت اطلاعات میں افسر ہو گئے ۔

۲۹- یہ بیان بعد میں ایک پمفلٹ کی صورت میں مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہوا تھا :

Islam and Qadianism

۳۰- یعنی میرے برادر زادہ لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید جو اس زمانے میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے طالب علم تھے اور اب جناح پوسٹ گریجویٹ

حضرت علامہ کی طرف اس غرض سے گئے کہ ان سے آیندہ اتوار کے روز ملاقات کے لیے وقت لیا جائے[۳۱]۔ جب ہم لوگ ان کی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے تو علی بخش سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ (والدۂ جاوید) کا ساڑھے پانچ بجے شام انتقال ہو چکا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس وقت حضرت علامہ کے پاس صرف صوفی تبسم صاحب اور رشید طارق صاحب بیٹھے تھے ۔ ہم لوگ بھی خاموش بیٹھ گئے ۔ رات کے سوا دس بجے جنازہ اٹھایا گیا اور بارہ بجے تدفین سے فراغت ہوئی[۳۲] ۔

۲۵ مئی ۱۹۳۵ :

کل صبح دفتر جانے سے پہلے جاوید منزل تعزیت کے لیے گیا ۔

۱۶ جون ۱۹۳۵ :

کل دفتر[۳۳] میں عارف صاحب[۳۴] نے مجھے ایک رسالہ دیا جو دراصل مرزا بشیرالدین محمود احمد کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے علامہ اقبال کے حالیہ بیانات کے خلاف دیا تھا ۔ آج میں گھر سے دفتر ''اسلام'' جاتے ہوئے راستہ میں حضرت علامہ سے ملا تاکہ وہ رسالہ آپ کو دکھاؤں ۔ وہاں جو ٹھہرا تو ساڑھے بارہ بج گئے ۔ حضرت علامہ نے گفتگو کے دوران میں مجھ سے پوچھا کہ

میڈیکل سینٹر کراچی کے ڈائریکٹر ہیں ۔ ان کی نگارشات سے پاکستان اور ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی روشناس ہے ۔ ان کے متعدد اردو اور انگریزی مضامین مقتدر علمی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں ۔

۳۱۔ بالعموم حضرت علامہ سے ملاقات کے لیے وقت لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی ۔ البتہ کسی خاص مقصد کے لیے جب ملاقات کرنی ہوتی تھی تو اس لیے پہلے سے وقت لے لیا جاتا تھا تاکہ حضرت علامہ وہ وقت کسی اور کو نہ دے دیں اور متعلقہ معاملے پر گفتگو یکسوئی اور اطمینان سے ہو سکے ۔

۳۲۔ یہ سانحہ ۲۳ مئی ۱۹۳۵ کو وقوع پذیر ہوا ۔

۳۳۔ دفتر سے مراد ہے قبل از تقسیم ملک کے زمانہ کا دفتر اکونٹنٹ جنرل پنجاب ، جہاں میں اس زمانے میں ملازم تھا ۔

۳۴۔ عبدالحمید عارف صاحب ، عبدالمجید سالک مرحوم کے بھائی جو اس زمانے میں اکونٹنٹ جنرل پنجاب کے دفتر میں ملازم تھے ۔ یہ صاحب قادیانی ہیں اور بحث مباحثہ کے بڑے شائق ۔

تمہارا پرچہ[۳۵] آیندہ کب چھپے گا ۔ میں نے عرض کیا اس کا دوسرا شمارہ پریس میں جا رہا ہے ، تو انھوں نے فرمایا کہ مرزا صاحب کے جواب میں میرا ایک بیان اس میں شائع کر دو ۔ چنانچہ آپ نے یہ بیان مجھے لکھوایا ۔ پھر خاصی دیر تک اس میں کانٹ چھانٹ ہوئی ۔ اس دوران میں چودھری صاحب[۳۶] اور نیازی صاحب[۳۷] بھی آ گئے تھے ان سے بھی مشورہ ہوتا رہا ۔ اس بیان کے علاوہ حضرت علامہ نے مجھے اپنی اس چٹھی کی ایک نقل بھی دی جو حال ہی میں اسٹیٹسمین[۳۸] میں شائع ہوئی تھی تاکہ اسے بھی ''اسلام'' میں بطور مضمون شائع کر دیا جائے ۔ ساڑھے بارہ بجے وہاں سے اٹھ کر گھر آیا ۔

۱۴ جولائی ۱۹۳۵ :

کل رات علامہ اقبال کے ہاں گیا تو وہاں پیر تاج الدین صاحب مع اپنے دو ساتھیوں کے بیٹھے تھے ۔ تھوڑی دیر میں وہ حضرات چلے گئے تو حضرت علامہ کے اور میرے درمیان باتیں شروع ہوئیں ۔ کچھ دیر کے بعد چودھری محمد حسین صاحب تشریف لے آئے ۔ حضرت علامہ کی تمام گفتگو بڑے دقیق فلسفیانہ موضوعات پر تھی ۔ آپ نے نبوت پر عمومی اور نبوت محمدیہ پر خصوصی طور پر روشنی ڈالی ۔ حضرت علامہ کا پختہ خیال ہے کہ نبوت محمدیہ کی معنوی حیثیت کو ابھی تک انسان نہیں سمجھا ۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ بزرگان سلف بھی اس کی کنہ کو نہیں پہنچے ۔ وہ مدعی تھے کہ خود ان کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے اور اس موضوع پر وہ تفصیل سے اپنی مجوزہ کتاب ''تمہیدالقرآن'' میں روشنی ڈالیں گے ۔

۳۵۔ اس سے مراد انجمن خدام الدین (شیران والا دروازہ) لاہور کا پندرہ روزہ انگریزی اخبار ''اسلام'' ہے جو ابھی ابھی نکلنا شروع ہوا تھا ، اور جس کے ادارتی فرائض میں انجام دیتا تھا ۔ یہ پرچہ ۱۹۳۵ سے ۱۹۳۹ تک بالالتزام نکلتا رہا ۔ میں چونکہ سرکاری ملازم تھا اس لیے پرچے کا ڈیکلریشن خواجہ محمد رشید وائیں صاحب کے نام سے تھا جو لاہور کی مشہور ''آسٹریلین فیملی'' کے رکن ہیں ۔ اسی پرچے میں حضرت علامہ کا معرکہ آرا مضمون Islam and Ahmadism (اسلام اور احمدیت) اول بار شائع ہوا تھا ۔ جنگ عظیم ثانی کے شروع ہی میں یہ پرچہ بند کر دینا پڑا ۔

۳۶۔ خان بہادر چودھری محمد حسین صاحب جو اس زمانے میں حکومت پنجاب کے پریس ایڈوائزر تھے اور جن کو علامہ مرحوم سے خصوصی تعلق تھا ۔

۳۷۔ سید نذیر نیازی صاحب جن سے محبان اقبال بخوبی واقف ہیں ۔

۳۸۔ حضرت علامہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان اس زمانے میں احمدیوں کے متعلق خط و کتابت اس روزنامے میں چھپتی رہی تھی ۔

۱۶ جولائی ۱۹۳۵ :

کل شام میں اتفاقاً حضرت علامہ کے ہاں جب گیا تو خلاف معمول[۳۹] وہ شلوار قمیص پہنے ہوئے تھے اور پاؤں میں گرگابی تھی اور قریب ہی کرسی پر کوٹ اور ٹوپی بھی پڑی تھی ۔ میں سمجھا کہ آج کہیں باہر جانا ہوا ہوگا لیکن معلوم ہوا کہ آپ اس وقت بھوپال جانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بھوپال سے واپسی تقریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد ہوگی ۔

۳ دسمبر ۱۹۳۵ :

آج حضرت استاذی المحترم مولانا احمد علی صاحب کے فرزند اکبر مولوی حافظ حبیب اللہ صاحب کے ہمراہ حضرت علامہ کی خدمت میں طویل مدت کے بعد حاضر ہوا ۔ گھنٹے سوا گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں اور زیادہ تر موضوع گفتگو تصوف رہا ۔

۱۹ دسمبر ۱۹۳۵ :

آج پھر حافظ حبیب اللہ صاحب[۴۰] کی معیت میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ باتوں باتوں میں جہاد پر گفتگو چھڑ گئی ۔ میں نے پوچھا کہ جہاد دفاعی ہونا چاہیے یا جارحانہ ۔ فرمایا کہ عام طور پر تو دفاعی ہے لیکن بوقت ضرورت جارحانہ بھی ہو سکتا ہے ۔ مثلاً اگر کوئی قوم بد اخلاقی میں اس قدر بڑھ جائے کہ اس سے دنیا میں نسل انسانی کی تباہی کا امکان ہو تو مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ بزور شمشیر اس قوم کو بد اخلاقی سے روکیں ۔ چنانچہ سلطان ٹیپو نے مالا بار کے وحشی باشندوں کو حکم دیا کہ بجائے برہنہ رہنے کے کپڑے پہننا شروع کر دیں ورنہ وہ بزور شمشیر انہیں کپڑے پہننے پر مجبور کرے گا ، اس لیے کہ ان کی برہنگی کا اثر ہمسایہ قوموں کے لوگوں پر ہوگا ، اور ان میں مسلمان بھی شامل ہیں ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمانوں کو ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا حکم دیا گیا ہے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشاعت حق کے پیچھے طاقت کی حمایت ہونی چاہیے ، ورنہ بغیر طاقت کے ''امر و نہی'' کیسے ممکن ہے ۔ اگر مسلمان ''امر و نہی'' کے فرائض ادا کرنا چاہتے ہیں تو ان کے

۳۹۔ خلاف معمول اس لیے کہ گرمیوں کے موسم میں بالعموم حضرت علامہ گھر پر لُنگی اور بنیان میں ملبوس رہنے کے عادی تھے ۔

۴۰۔ محترمی حافظ حبیب اللہ صاحب بعد میں ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے اور آج تک وہیں ہیں ۔ اب سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے قیام مکہ مکرمہ میں فرما لیا ہے ۔

بازوؤں میں طاقت[۴۱] ہونا ضروری ہے۔

۱۹ جنوری، ۱۹۳۶ :

گزشتہ دو ہفتے سے میں اس کوشش میں تھا کہ حضرت علامہ کا وہ انگریزی بیان جو پنڈت جواہر لال نہرو کے مضامین مطبوعہ ''ماڈرن ریویو'' کے لیے لکھا گیا تھا، انجمن خدام الدین کی طرف سے شائع ہو۔ الحمد للہ کہ یہ کوشش کامیاب ہوئی اور یہ بیان Islam and Ahmadism (اسلام اور احمدیت) کے عنوان سے ''اسلام'' کے پرچے بابت ۲۲ جنوری، ۱۹۳۶ میں چھوٹی تقطیع کے ۵۲ صفحات پر شائع ہو گیا۔[۴۲] اس شمارے میں تمام تر وہی مضمون چھپا ہے دوسری اور کوئی چیز نہیں۔ اس مضمون میں احمدیت کے متعلق بہت سے اہم

۴۱۔ حضرت علامہ کی تمام کتابوں میں ''جہاد'' پر زور دیا گیا ہے اور جہاد کے لیے طاقت مہیا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر تو آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ :

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

۴۲۔ حضرت علامہ کے اس مضمون کی اشاعت کا معاملہ خاصا دلچسپ ہے۔ یہ مضمون میں نے خود ٹائپ کیا اور جب میں یہ لے کر حضرت علامہ کے پاس گیا تو آپ نے میرا قلم جس میں سبز روشنائی بھری ہوئی تھی، مجھ سے لے کر اس میں کانٹ چھانٹ شروع کی اور ہر صفحے پر کثرت سے تغیر و تبدل کر دیا۔ بعض جگہ بہت بڑا حصہ کاٹ کر اس کی جگہ حاشیے پر نیا مواد درج فرما دیا اور بعض جگہ پورا صفحہ کاٹ کر پشت پر نیا مواد درج فرما دیا اور مضمون کے آخر میں یہ الفاظ درج فرمائے :

I authorise the Anjuman Khuddamuddin to publish the above in the form of a pamphlet for free circulation.

یعنی ''میں انجمن خدام الدین کو مندرجہ بالا مضمون ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کرنے کا اختیار سونپتا ہوں، جو مفت تقسیم ہوگا۔''

اس کے نیچے حضرت علامہ نے اپنے دستخط مع تاریخ ثبت فرما دیے۔ ''اسلام'' کا یہ شمارہ تیار ہو جانے کے بعد ایک نیا ٹائیٹل لگا کر اس مضمون کو پمفلٹ کی صورت دے دی گئی جسے حضرت علامہ نے پسند فرمایا۔

حضرت علامہ کے اپنے ہاتھوں سے ترمیم کردہ اصل ٹائپ شدہ مضمون میرے پاس محفوظ پڑا رہا۔ بارہا یہ مضمون احباب لے گئے لیکن پھر واپس آ گیا۔ آخری مرتبہ احرار کے مشہور رہنما حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم کے پاس دو تین برس یہ مضمون پڑا رہا اور پھر وہ خود ہی کراچی آ کر میرے مکان پر چھوڑ گئے۔ پندرہ بیس برس کے بعد ربوہ کے قادیانی پرچے ''الفضل'' میں ایک طویل سلسلہ مقالات افتتاحیہ کا شائع ہوا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ

حقائق واضح کیے گئے ہیں ۔ بلا مبالغہ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آج تک احمدیت پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے مقابلے میں اس مضمون سے احمدیت پر بڑی زبردست ضرب لگی ہے ۔ اس مضمون کی اشاعت نے واقعی احمدیوں کو بوکھلا دیا ہے ۔

یہ مضمون اقبال کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ جعلی ہے ۔ اور اندرونی شہادتوں سے اس دعوے کی تصدیق کی ناکام کوشش کی گئی ۔ اس پر میں نے اپنے پندرہ روزہ انگریزی اخبار ''الاسلام'' میں جو میں کراچی سے تقریباً دس برس تک شائع کرتا رہا ہوں ۔ ایک مضمون صفحہ اول پر شائع کیا اور یہ واضح کیا کہ اس مضمون کا اصل مسودہ (Typescript) میرے پاس اب تک محفوظ ہے جس کے آخر میں حضرت علامہ کے دستخط مع تاریخ موجود ہیں ۔ چنانچہ میں نے اس کے آخری صفحے کا عکس بھی ''الاسلام'' کے صفحہ اول پر چھاپ دیا ۔ اس کے بعد قادیانیوں کو خاموشی اختیار کر لینا پڑی ۔

اس مضمون کا اصل مسودہ (Typescript) اقبال اکادمی کراچی نے مجھ سے حاصل کر لیا تھا اب یہ بمد امانت کراچی نیشنل میوزیم میں محفوظ پڑا ہے ۔

سب سے بڑی دلیل جو ''الفضل'' کے مقالات میں اس مضمون کے خلاف دی گئی یہ تھی کہ حضرت علامہ ایک مدت تک مرزا غلام احمد اور ان کی تحریک کے حامی رہے ہیں ۔ لیکن اس دلیل میں کچھ وزن نہیں ، اس لیے کہ گو یہ دعویٰ صحیح ہے لیکن مدت العمر کے غور و فکر کے بعد حضرت علامہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ یہ تحریک ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ابدی غلامی کی الہامی سند مہیا کرنے کے لیے وجود میں آئی تھی ۔ اس لیے انھوں نے بالآخر اس کے خلاف شدید قلمی جہاد کیا ۔

اس سلسلے میں یہ دلچسپ چیز قابل لحاظ ہے کہ خود مرزا غلام احمد ایک مدت تک اپنے نبی ہونے کا انکار کرتے رہے کہ

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

بلکہ اپنی ایک کتاب میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''میں بھی عام مسلمانوں کی طرح یہ مانتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں لیکن وحی الٰہی نے بارہ برس تک بارش کی طرح نازل ہو کر مجھے یقین دلا دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے ہیں'' ۔

ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کے خیالات میں اس قسم کا بنیادی تغیر آسکتا ہے اور وہ بھی بارہ برس کے بعد ، تو حضرت علامہ نے تو کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا ، ان کے خیالات میں اگر تغیر ہوا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے ؟

۱۱ ، جون ۱۹۳۶ :

پرسوں صبح دفتر[۴۳] کے ریفریشمنٹ روم میں شیخ محمد دین صاحب شرقپوری[۴۴] نے مجھ سے کہا کہ پنجاب پی ۔ ڈبلیو ۔ ڈی سکریٹریٹ کے ایک عیسائی سپرنٹنڈنٹ مسٹر جے ۔ اراٹون (Mr. J. Arratoon) مائل بہ اسلام ہیں ۔ ان سے ملیے ۔ بعد میں دو آدمی مولانا مظہر علی اظہر[۴۵] کی چٹھی لے کر میرے پاس آ گئے جس میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا کہ آج ہی مسٹر اراٹون سے ملنا چاہیے، مبادا غلط قسم کے حضرات ان تک پہنچ جائیں ۔ میں نے اسی وقت ایک رقعہ مسٹر اراٹون کے نام ان حضرات کے ہاتھ بھیجا جس میں ان کو دعوت دی کہ وہ (مسٹر اراٹون) کل ساڑھے پانچ بجے سہ پہر میرے مکان پر چائے نوش فرمائیں ۔ انھوں نے میری دعوت قبول فرما لی ، اور کل وہ میرے دفتر کے دو تین مسلمان رفقاء کے ہمراہ چائے نوشی کے لیے تشریف لے آئے ۔ میرے چند دوست بھی مدعو تھے ۔ اراٹون صاحب فوراً مشرف بہ اسلام ہونے پر آمادہ ہو گئے ۔ چنانچہ اسی وقت ہم سب لوگ انھیں ہمراہ لے کر حضرت علامہ اقبال کی خدمت میں ''جاوید منزل'' حاضر ہوئے ۔ وہاں راجہ حسن اختر صاحب اور سید نذیر نیازی صاحب موجود تھے ۔ حضرت علامہ سے ہم لوگوں نے اپنی حاضری کا باعث بیان کیا ۔ حضرت مولانا عبدالحنان[۴۶] صاحب کو وہیں بلا لیا گیا اور انھوں نے اراٹون صاحب کو

۴۳۔ مراد اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کا دفتر ہے جہاں کے مسلمان اس زمانے میں ہر طرح کے دینی اور سماجی کاموں میں دلچسپی لیا کرتے تھے ۔ اس دفتر کے لوگوں میں سے بہت سے کارکن انجمن حمایت اسلام لاہور کو میسر آئے ۔ انجمن کے فنانشل سکریٹری بیشتر اسی دفتر کے لوگ رہے ۔ منشی نظام الدین صاحب ، حاجی محمد حفیظ صاحب ، خان عبدالرحمان خان صاحب ، یہ سب لوگ یہیں ملازم تھے اور عمر بھر انجمن کی خدمت کرتے رہے ۔ آج انجمن کے آنریری فنانشل سکریٹری خواجہ غلام دستگیر صاحب بھی اس دفتر سے ریٹائر ہونے والے اصحاب میں سے ہیں ۔

۴۴۔ شیخ محمد دین صاحب شرق پوری بہت مخلص ، دیندار اور محنتی نوجوانوں میں سے تھے اور میرے دفتر کے ساتھیوں میں سے تھے ۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں ۔

۴۵۔ مولانا مظہر علی اظہر بزرگان ''مجلس احرار'' میں سے ہیں ۔ تمام عمر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کر چکے ہیں ۔ قید و بند کے خطرے نے انھیں کبھی اعلان حق سے نہیں روکا ۔ بڑے ہی مخلص بزرگ ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انھیں قادیر سلامت رکھے ۔ مجھے دین کی خدمت کے سلسلے میں ان کا تعاون ہمیشہ حاصل رہا ۔ مجلس احرار پنجاب کے چوٹی کے راہنماؤں میں سے اب یہی ایک بقید حیات ہیں ۔

۴۶۔ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب اس زمانے میں آسٹریلیا مسجد لزد لاہور ریلوے اسٹیشن میں خطیب تھے ۔ آپ ہمیشہ تبلیغی کاموں میں اور جہاد آزادی میں پیش پیش رہے اور ہر قسم کی قربانیاں خندہ پیشانی سے دیتے رہے ۔

مشرف بہ اسلام کر لیا ۔ الحمد للہ علی ذالک[۴۷] ۔ شام کے بعد ہم لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع مسلمان اخباروں میں اشاعت کے لیے پہنچا دی ۔ اراٹون صاحب کا اسلامی نام ''جمیل'' رکھا گیا ۔ آج وہ نماز جمعہ شاہی مسجد میں ادا فرمائیں گے ۔

میں سوچتا ہوں کہ آج جو کچھ ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہو رہی ہے ۔ اس میں مسلمانوں کی تبلیغی کوششوں کا کچھ دخل نہیں ہے ۔ اگر ہم مسلمان تبلیغ کا کام باقاعدگی کے ساتھ کریں تو اسلام کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہو سکتی ہے ۔ ابھی چند روز ہوئے گاندھی جی کا فرزند اکبر ہیرا لال مسلمان ہوا تھا ۔

۲۷ اکتوبر ، ۱۹۳۶ :

گزشتہ شنبہ کے روز حضرت علامہ کی ایک نظم[۴۸] روز نامہ ''احسان''[۴۹] کے سالنامے میں شائع ہوئی جو مجھے بہت ہی پسند آئی ۔ فرماتے ہیں :

جلوۂ حق گرچہ باشد یک نفس — قسمت مردانِ آزاد است و بس
مرد آزادے چو آید در سجود — در طوافش گرم رو چرخ کبود
ما غلامان از جلالش بے خبر — از جمال لازوالش بے خبر

۴۷۔ اس وقت ایک اعلان مسٹر اراٹون کی طرف سے ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کا تیار کیا گیا جس میں ان کے دستخط کے نیچے تمام حاضرین نے بطور شہادت اپنے اپنے دستخط ثبت فرما دیے ۔ ان دستخط کنندگان میں حضرت علامہ مرحوم بھی شامل تھے ۔ یہ کاغذ آج تک محفوظ ہے اور اقبال اکادمی کراچی کے ریکارڈ میں شامل ہے ۔

۴۸۔ یہ نظم بعد میں شائع ہونے والی کتاب ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' کا ایک بند تھا ۔

۴۹۔ روز نامہ ''احسان'' حضرت علامہ مرحوم کی توجہات کا ہمیشہ مرکز رہا ۔ آپ کے بیشتر خصوصی اعلانات اسی اخبار میں شائع ہوئے ۔ ان اعلانات میں سے دو بہت اہم ہیں ۔ اول مسجد شہید گنج کے بارے میں ، جس کا قصہ بہت دلچسپ ہے ۔ مسجد شہید گنج ایک تاریخی مسجد لاہور ریلوے اسٹیشن کے قریب لنڈا بازار کے شروع میں واقع تھی جس پر سکھوں کا قبضہ تھا ۔ مسلمانوں نے اس کی واگزاری کے لیے قانونی چارہ جوئی کی ۔ اس مقدمے میں ، جب وہ ہائی کورٹ میں پیش تھا ، قائداعظم مرحوم نے مسلمانوں کی طرف سے پیروی کی تھی ۔ جب ہائی کورٹ نے مسلمانوں کی اپیل خارج کر دی تو لاہور کے مسلمانوں میں زبردست ہیجان پیدا ہوا ۔ ایک روز اخبارات میں یہ اعلان شائع ہوا کہ علامہ اقبال کے مکان پر ایک جلسے میں یہ طے ہوا ہے کہ مسجد شہید گنج کے فیصلے کے خلاف پریوی کونسل میں اپیل کی جائے ۔ اس کے لیے تیس ہزار روپیہ

در بدن داری اگر سوز حیات — ہست معراج مسلمان در صلوٰۃ
ور نداری خون گرم اندر بدن — سجدۂ تو نیست جز رسم کہن
عید آزاداں شکوہ ملک و دیں — عید محکوماں ہجوم مومنیں

درکار ہوگا ۔ لہٰذا مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ یہ رقم مہیا کر دیں ۔ اس اعلان پر چار بزرگوں کے نام تھے : (۱) نواب ممدوٹ (۲) خان سعادت علی خاں (۳) خان بہادر حاجی رحیم بخش ریٹائرڈ سشن جج (۴) خان بہادر نواب مظفر خان صاحب ۔ ان میں سے ہر ایک تیس ہزار کی رقم بآسانی اپنی جیب سے ادا کر سکتا تھا ۔ لیکن مقصد یہ تھا کہ روپیہ غریبوں کی جیبوں سے نکلے اور نیک نامی خود ان بزرگوں کو حاصل ہو ۔ اس سلسلے میں یہ چیز بھی دلچسپ ہے کہ جب مسجد گرائی گئی تھی تو اس زمانے میں نواب مظفر خان صاحب گورنر پنجاب کی انتظامیہ کونسل کے رکن تھے ۔ ظاہر ہے کہ نواب صاحب کے سامنے کونسل میں یہ معاملہ پیش ہوا ہوگا اور وہیں یہ فیصلہ ہوا ہوگا کہ مسجد گرا دی جائے ۔ چنانچہ مسجد گرانے کے لیے سرکاری بل ڈوزر وغیرہ استعمال ہوئے ۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس وقت نواب مظفر خان صاحب نے کیا رائے دی تھی ۔ آیا وہ مسجد گرانے کے حق میں تھے یا مخالف ۔ یہ معاملہ آخر تک معرض اخفا میں رہا ۔ بہرحال اگلے روز علامہ مرحوم کا ایک بیان روزنامہ ''احسان'' میں چھپا جس کا ملحض یہ تھا کہ جلسہ میرے مکان پر ضرور ہوا تھا لیکن میں پریوی کونسل میں اپیل کرنے کے خلاف تھا ۔ میں نے یہ خیال ظاہر کر دیا کہ اس اپیل کے دائر کرنے سے مسلمانوں کا تیس ہزار روپیہ ضائع ہوگا ، لیکن اعلان کرنے والے حضرات مصر ہوئے کہ اپیل ضرور ہونی چاہیے ۔ اس پر میں اظہار برئت کے لیے محفل سے اٹھ کر گھر کے اندر چلا گیا (جلسہ ''جاوید منزل'' کے صحن میں ہو رہا تھا) ان لوگوں نے میرے اٹھ جانے کے بعد فیصلہ کر لیا کہ اپیل ہوگی اور مسلمانوں سے تیس ہزار روپیہ طلب کیا جائے اور رات ہی کو اخبارات میں اعلان کر دیا ۔ میں اس فیصلہ میں شریک نہیں تھا اور اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ اپیل بے کار ہوگی اور غریب مسلمانوں کا تیس ہزار روپیہ ضائع ہوگا ۔

دوسرا واقعہ یوں ہوا کہ دہلی کے ایک پبلک جلسے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ فرمایا تھا کہ ''قومیں اوطان سے بنتی ہیں''۔ اس پر مسلم لیگی پریس نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا ۔ جس طریق سے اس خبر کو چھاپا گیا اس سے متاثر ہو کر حضرت علامہ مرحوم نے ایک مختصر لیکن بہت ہی زور دار نظم ارقام فرمائی جس کا اخبارات میں بہت چرچا ہوا ۔ اس پر مسلم لیگیوں اور حضرت مولانا مرحوم کے طرف داروں میں زبردست مباحثہ ہوا ۔ بالآخر حضرت علامہ مرحوم کا ایک بیان روز نامہ ''احسان'' میں شائع ہوا جس میں انھوں نے اعلان کیا کہ چونکہ مولانا نے واضح فرما دیا ہے کہ انھوں نے

۴ نومبر ۱۹۳۶ :

حضرت علامہ کی مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' شائع ہو گئی ہے۔[۵۰] میں نے ''اسلام'' کے آیندہ پرچہ کے لیے اس پر ریویو لکھا ہے جس میں قریباً چالیس اشعار نقل کیے ہیں۔

قادیانیوں کے اردو رسالہ ''ریویو آف ریلیجیز'' میں حضرت علامہ کی کتاب ''ضرب کلیم'' پر پچھلے دنوں ریویو کیا گیا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ ''یہ کتاب بال جبریل سے بھی گری ہوئی ہے''۔ میں نے وہ پرچہ حسرت صاحب[۵۱] کو دیا۔ انھوں نے ''مطائبات'' میں اس تنقید کا خوب مذاق اُڑایا۔ طارق صاحب[۵۲] نے ''ریویو آف ریلیجز'' کے جواب میں ایک مضمون لکھا جسے لے کر وہ میرے پاس آئے تاکہ میں اسے اپنے پندرہ روزہ انگریزی پرچہ ''اسلام'' میں شائع کر دوں۔

۱۱ نومبر ۱۹۳۶ :

''اسلام'' کے تازہ شمارے میں[۵۳] مثنوی ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' پر میرا تبصرہ شائع ہو گیا ہے۔

''اوطان'' والا جملہ خبر کے طور پر کہا تھا نہ کہ اپنی رائے کے طور پر، اس لیے اب میرے اور ان کے درمیان اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں رہا اور آخر میں حضرت علامہ نے مولانا کے شاگردوں سے یہ فرمایا کہ ''مولانا کی عقیدت میں میں ان سے پیچھے نہیں ہوں''۔ اس تمام معاملے کے بعد آج تک اس قصے کو اچھالا جا رہا ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ ''ارمغان حجاز'' اگر حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی۔

۵۰۔ حضرت علامہ کی زندگی میں ان کی شائع ہونے والی کتابوں میں یہ آخری کتاب تھی۔ ''ارمغان حجاز'' آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔

۵۱۔ مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم جو اس زمانے میں ہفتہ‌وار ''شیرازہ'' کی ادارت فرماتے تھے اور روزنامہ ''زمیندار'' کے لیے ''مطائبات'' کا کالم لکھتے تھے۔

۵۲۔ عبدالرشید طارق صاحب۔

۵۳۔ بابت ۷ مئی، ۱۹۳۶۔